زیادتیٔ قیمت بہ پردۂ بیع مؤجل

از مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل

شرعاً بیع مؤجل کی حقیقت یہ ہے کہ بوقتِ بیع بائع و مشتری باہمی رضامندی سے یہ طے کریں کہ تسلیمِ بیع اگرچہ فی الحال ہوگی، لیکن مشتری ادائے ثمن میعاد مقررہ پر کرے گا۔ اس کی تعریف میں یہ لازمی شرط نہیں کہ وہ ثمن اُس وقت کی رائج الوقت قیمت سے ضرور زائد ہو۔ اور مرابحہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کے سامنے تصریح کر کے واضح کر دیتا ہے کہ یہ چیز میں نے خود اتنے ثمن کے بدلے خریدی ہے یا مجھے اتنے میں پڑتی ہے اور میں اتنا متعین نفع لے کر آپ کو فروخت کر رہا ہوں۔ مشتری اس کے صدقِ مقال پر اعتماد کر کے اُس قدر نفع دینے پر راضی ہو جاتا ہے[1]۔ اس کی تعریف میں یہ لازمی شرط نہیں کہ چونکہ وہ اُدھار دے رہا ہے اس لیے وہ متعین منافع لگا رہا ہے[2]۔ اب رہی یہ صورت کہ عام طور پر بازار میں کسی چیز کی رائج الوقت قیمت مثلاً ایک سو روپیہ ہے اور اگر مشتری کے پاس نقد رقم موجود ہو تو وہ سو روپے نقد دے کر ہر کسی سے وہ چیز خرید سکتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے۔ اگر کسی بنک سے وہ نقد رقم قرض مانگ لے تو وہ سو روپیہ پر دس فیصد سالانہ سود لگا رہا ہے۔ اس کے بجائے وہ ایک

---

[1] عموماً اس صورت میں ثمن اس وقت کی بازاری قیمت سے کم یا برابر ہوتا ہے، زائد نہیں ہوتا۔

[2] اور اس نفع لگانے سے وہ بازاری قیمت سے بڑھ رہا ہے۔

تاجر سے وہی چیز اُدھار خریدنا چاہتا ہے۔ تاجر کہتا ہے کہ نقد قیمت دیتے ہو تو یہ چیز سو روپے کی ہے خرید لو۔ اور اگر ثمن سال بھر کے بعد دو گے تو پھر میں ایک سو دس روپے پہ فروخت کرتا ہوں۔ نوید"۔ بیع مؤجل بثمنٍ زائد عن القیمۃ الرائجۃ للاجل ہے [1]۔ زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح میعاد پر فروخت کرنے کی وجہ سے بازاری رائج الوقت قیمت پہ کچھ اضافہ کر کے چیز فروخت کرنا شرعاً اس بائع کے لیے جائز ہے یا نہیں۔ آج کل صرف اسی صورت کو بیع مؤجل کا نام دیا گیا ہے اور اس کی ترویج مقصود ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ فقہائے کرام اور مفسرین نے ربوٰا کی جو تعریف کی ہے اس کی رُو سے یہ صورت عین ربوٰا تو نہیں اس لیے ربوٰا حقیقی کی طرح اس کو حرامِ قطعی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ربوٰا کے بجائے اس صورت کو عموماً اس ذہنیت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے جو سُود خواروں کی ذہنیت ہے اور یہ ایک حیلہ ہے، جس کو اختیار کر کے بیع کے نام سے اس مشتری کا استحصال کیا جا رہا ہے جو نقد رقم ہاتھ میں نہ ہونے کی وجہ سے یک گونہ مجبور ہے کہ وہ قیمت رائج الوقت سے زائد قیمت ادا کرے، تو یقیناً یہ کہنا بجا ہے کہ یہ مزاجِ شریعت کے خلاف ہے اور اس کو اگر حرام نہ کہا جائے تو مکروہ تو ضرور ہے۔ اور اگر کاروبار میں اس کو مستقل طور پہ جائز قرار دے کر منڈیوں، بازاروں اور کارخانوں میں اس کو جاری کر دیا جائے تو ربوٰا کے جو مفاسد ہیں اور ربوٰا کی وجہ سے معاشرہ میں جس قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جو استحصال ہوتا ہے اور جو معاشی توازن غیر فطری طور پہ بگڑ جاتا ہے وہ ساری باتیں اس صورت میں بھی وقوع پذیر ہوں گی۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ربوٰا حقیقی سے بچنے کے لیے "سداً للذریعہ" کے طور پہ شریعت نے بہت سی ایسی صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن سے سُود خوارانہ ذہنیت کی تربیت ہوتی ہے اور طبیعتوں میں نفع اندوزی اور مادہ پرستی کا جذبہ غلط طریقوں سے بڑھ جاتا ہے۔ احادیث میں ربوٰا الفضل کی حرمت اسی بنا پر ہے۔ اسی بنا پہ تیار شدہ زیور اور سونے کے ٹکڑوں میں تبادلے

[1] یعنی محض اس لیے بازاری قیمت سے زیادہ دے رہا ہے اور وہ لے رہا ہے کہ اس کے پاس فی الحال نقد رقم نہیں ہے تو یہ قیمت میں اضافہ محض میعاد کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خریداری مجبورانہ ہے۔

کے وقت مساوات ضروری قرار دی گئی ہے اور ایک طرف سے زیور کی صناعت کی بنا پہ دوسری طرف سے سونے کی کمی کو گوارا نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح جیدھا و ردیھا کا ارشاد گرامی، جید وردی جنس واحد کے تبادلے کی صورت میں اُن کی مساوات کو ضروری قرار دیتا ہے اور جودت کا اعتبار کیے بغیر ردی کے ساتھ برابری کی بنیاد پہ تبادلہ لازمی ٹھہراتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پہ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ زیادتی حکمی ربٰو ہے۔ اور سداً للذریعہ کے طور پہ اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ احادیث میں بیع بعینہ[1] کو اور "شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن" کو ممنوع اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ طریقے وہ ہیں جو ربٰو کے بجائے بطور حیلہ کے اختیار کیے جاتے ہیں۔ محاقلہ[2] و مزابنہ[3] کو بھی اسی سبب ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ احتمال ہے کہ ایک جنس میں دوسری کے مقابلے میں زیادتی ہو جائے۔ مساوات جو ضروری ہے اس کا احتمال ایک ہے اور کمی بیشی کے دو احتمال ہیں — اکتناز و احتکار[4] بھی شرعاً اسی لیے ممنوع اور موجب لعنت ہے کہ اس میں دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر محض اپنی ذاتی منفعت کے حصول کا جذبہ ہے۔ ان تمام نظائر کو پیش رکھنے کے بعد تجارتی معاملات اور بیع و شراء اور تبادلۂ اشیاء کے بارے میں شریعتِ اسلامی کا جو مزاج معلوم ہوتا ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بازاری قیمت سے زائد ثمن پر اُدھار فروخت کرنا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔ خلافِ مروت ہے اور اسلامی اخلاق سے بعید ہے اس لیے مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ اور اگر ربٰو کی مضرتوں سے معاشرے کو بچانے

---

[1] بیع بعینہ سے مراد ہے کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر اُدھار بیچنا، اس کی ممانعت کے لیے ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد، کتاب البیوع باب النہی عن بیع بعینہ

[2] محاقلہ سے یہ مراد ہے کہ فصل کو پوری طرح تیار ہونے سے پہلے غلّے کے بدلے میں فروخت کر دیا جائے۔

[3] مزابنہ سے یہ مراد ہے کہ درختوں پہ کچی کھجوریں پکی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں فروخت کر دی جائیں۔

[4] ذخیرہ اندوزی۔

کے لیے تحریم ربوٰ کا قانون نافذ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ سداً للذریعہ کے طور پر ان تمام مضرتوں سے بچانے کے لیے تجارتی کاروبار میں اس کو بھی مکروہ و ناپسندیدہ اور قابلِ ترک قرار دینا ہوگا ورنہ تمام سُود خوار اسی سود خوارانہ ذہنیت کے ساتھ سودی کاروبار کے بجائے اسی کو اختیار کریں گے۔ اور اس حیلۂ جواز کی آڑ میں وسیع پیمانے پر غریبوں اور ناداروں کا استحصال کریں گے کیونکہ ہر ایسی زیادتی کا اثر آخر کار صارفین پر پڑتا ہے۔ اس کو بلاشبہ جائز و قابلِ عمل قرار دینے کے بعد کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سُود) کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ جو لوگ تجارتی سُود کو ربوٰ سے نکال کر اس کے جواز کے درپے ہیں۔ وہ تو یہ مغالطہ انگیزی کرتے ہیں کہ ایک کارخانے کا مالک اگر بنک سے کارخانہ چلانے اور مصنوعات تیار کرنے کے لیے ۴ فیصد سالانہ سُود پر رقم لیتا ہے تو وہ اس رقم سے سال میں تیس چالیس فی صد کماتا ہے، وہ سُودی رقم لے کر بھی فائدے میں رہتا ہے۔ مگر ہم اس کو بھی ربوٰ حقیقی قرار دے کر حرام مانتے ہیں۔ اور اس کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ درحقیقت یہ کارخانہ دار غریب صارفین پر ۴ فیصد کا بوجھ ڈالتا ہے اور بنک کو وہ ۴ فیصد غریبوں سے چھین کر دے رہا ہے۔ یہ غریب صارفین کا خون ۴ فیصدی مہنگا سودا بیچ کر چوستا اور بنک کے حوالے کرتا ہے تو اسی طرح ایک تاجر بازاری قیمت سے دس فیصد مہنگا سودا اُدھار پر خرید کر آگے فروخت کرتا ہے تو یہ دس فیصدی صارفین سے وصول کر کے اس بائع کو دے رہا ہے۔ تو اگر تجارتی کاروبار میں یہ بلا کھٹکے جائز طور پر رائج ہو جائے تو بڑے بڑے سرمایہ دار جو اُدھار دے سکتے ہیں۔ وہ قرضوں کی طرح سامانِ تجارت سُود کے تناسب سے زائد ثمن پر فروخت کرنا شروع کر دیں گے جس کا ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ جو اُدھار نہ دے سکتے ہوں اُن کا کاروبار ختم ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف صارفین سے وہ زائد ثمن جمع کر کے یہ چھوٹے تاجر ایک بڑے تاجر کو پہنچایا کریں گے اور چند مخصوص لوگوں کی پوری اجارہ داری پوری تجارت پر قائم ہو جائے گی۔ اس لیے معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے اس امرِ مکروہ کو ترک کرنا کرانا ضروری ہے۔

اِس سے انکار نہیں ہے کہ بعض فقہاء کرام نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ نفسِ جواز منافی کراہت نہیں۔ نیز ان کے قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کسی بائع نے

کسی مشتری پر اُدھار کوئی چیز بازاری قیمت سے زائد فروخت کر دی۔ مثلاً سو روپے کی چیز ایک سو دس روپے میں فروخت کر دی۔ میعاد جب پوری ہوئی تو مشتری نے کہا کہ اس وقت قیمت تو سو روپے تھی۔ اس لیے میں سو روپے ادا کرتا ہوں اور دس روپے جو زائد تو نے میری مجبوری کی وجہ سے بڑھائے تھے وہ میں نہیں دیتا۔ بائع نے قاضی کے ہاں دعویٰ کیا۔ تو چونکہ بوقت بیع ثمن ایک سو دس طے ہوا تھا تو قاضی یہی فیصلہ کرے گا کہ مشتری ایک سو دس ادا کرے۔ کتب فقہ میں معاملات کی صورتوں میں جہاں "یجوز" آتا ہے وہاں اس سے مراد عموماً یہ ہوتی ہے کہ قضاءً یہ نافذ ہے۔ اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک معاملہ دیانتہً تو جائز نہیں ہوتا لیکن قضاءً وہ نافذ ہوتا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اگر سو روپے نقد قرض دیے اور دس روپے سالانہ سود طے ہوا تھی۔ مگر جب قرض خواہ دس زائد دینے سے انکار کرے اور قرض دہندہ قاضی کے ہاں دعویٰ دائر کرے تو قاضی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ دس سود لینا چاہتے تھے اور سود حرام ہے لہٰذا اس کے دلوانے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ تو درحقیقت ربوٰ کی صورت میں اور اُدھار مہنگا فروخت کرنے کی صورت میں قضا تو یہ فرق ہوگا، اس لیے فقہاء کرام نے اس کی تعبیر یجوز سے کر دی۔

نیز فقہاء کرام کا مطلب یہ کبھی بھی نہیں تھا کہ اس صورت کو عام طور پر کاروبار تجارت میں اختیار کیا جائے اور منڈیوں، بازاروں اور کارخانوں میں اِسی عمل پر جاری رہے بلکہ ان کے یجوز کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کسی اور معقول وجہ سے ایک بائع کسی چیز کا ثمن بازاری قیمت سے زیادہ متعین کر کے اُدھار پر فروخت کرے تو ایسا انفرادی اور جُزئی واقعہ اگر پیش آجائے بہ کراہت گوارا۔ کیونکہ یہ عین ربوٰ نہیں ہے۔ پیش نظر کوئی حیلہ سازی بھی نہیں۔ سود خوارانہ ذہنیت کے ساتھ قیمت میں اضافے کا جذبہ بھی محرک نہیں ہے .... فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی فقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ سود کے بدل کے طور پر عام کاروبار میں اس کو سرمایہ داروں کی خاص نفع اندوزی کے لیے اور صارفین پر اشیائے صرف مہنگا کرنے کے لیے جائز قرار دے دیں۔ ایسی صورت میں وہ تجارت نہیں رہتی جس میں تاجر کو نفع و نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے بلکہ سودی کاروبار کی طرح محض نفع ہی نفع پیش نظر ہوتا ہے اور نقصان کا احتمال ہی نہیں رہنے دیا جاتا۔

بقول اقبالؒ:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

معاشرہ میں فطری اور طبعی معاشی توازن قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کے معاملاتِ بیع وشرا کو ترک کر دیا جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے سُود کے خلاف جو رپورٹ مرتب کر کے پیش کر دی تھی اس میں اُدھار پر مہنگا فروخت کرنے کو مکروہ قرار دے کر لکھا تھا کہ چونکہ ربٰو جو قطعی حرام ہے اس سے بچنے کے لیے عبوری طور پر اس کو اگر اختیار کیا جائے تو مشارکہ ومضاربہ کے نظام کو پوری طرح کامیاب ہونے سے قبل اس کی گنجائش ہے، مگر دیکھا گیا ہے کہ اس عبوری گنجائش کی آڑ میں بلاسودی نظام کے نام سے وہی سُودی کاروبار جاری رکھا گیا اور سُود سے بچنے والے کتنے دیندار و پرہیزگار لوگ بھی نادانستہ سُودی کاروبار میں شامل ہو گئے اس لیے ایک ایسے معاشی نظام کو جو مادہ پرست مغرب کی تقلید میں ڈیڑھ دوسو برس سے ملک میں چلایا جا رہا ہے۔ اس کے چلانے والوں کا ذہن ربٰو ہی سے مانوس ہے۔ اُن کی ساری تعلیم وتربیت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کی طبیعتوں میں ربٰو سے کوئی نفرت نہیں ہے اور ان میں سے بہت بڑا طبقہ اب تک بنکوں کے تجارتی سُود کو ربٰو میں شامل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر جواز کی یہ کھڑکی ہوا خوری کے ارادے سے کھولنے دی گئی تو یقیناً وہ اس کو بہت بڑا اچھا ٹک بنا دیں گے۔ اور جب بنکوں میں، تمام تجارتی اداروں اور سرمایہ داروں کے تمام اڈوں میں یہ صورت بیع وشرا شروع ہو اور ہر چیز بلا کھٹکے اُدھار پر بازاری قیمت سے زائد قیمت پر فروخت ہونے لگے تو اس کے نتیجے میں وہ تمام مفاسد اور معاشی خرابیاں اُسی طرح رُونما ہوں گی جو سُود کی وجہ سے رُونما ہو رہی ہیں تب ضرور یہ تاثر قائم ہو گا کہ اسلام کے معاشی نظام نے اور بلاسُود کاروبار نے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ اُن خرابیوں کا ازالہ نہیں کیا جو سُودی نظام سے پیدا ہو رہی تھیں، بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہوا۔ کیونکہ اب بھی بہت سے لوگ سُود کو حرام سمجھ کر سُودی کاروبار سے بچتے ہیں۔ صرف سُودی کاروبار کرنے والے حلقے کی طرف سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ پھر جب ملک کے سارے مسلمان اس کو جائز کاروبارِ تجارت سمجھ کر سب کے سب اس کو عملاً اختیار کریں گے اور اس کو جائز

نفع اندوزی قرار دے کر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کریں گے تو حلقہ وسیع ہو گا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں ڈال رہے ہیں کہ جس معاملہ میں قطعی سود نہ ہو جس پر ربوٰ حقیقی کی تعریف صادق نہ آتی ہو، قرض پر اضافہ نہ ہو، بلکہ معاملہ کی صورت بیع کی ہو، اشیاء کا باہمی تبادلہ ہو تو اس میں اگر اس قسم کی زیادتی ہو جائے اور زیادہ ستانی پائی جاتی ہو تو وہ جائز اور حلال ہے اور اس لیے کہ یہ قرض کی صورت میں نہیں، بلکہ بیع کی صورت میں[1] ہے اور اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ آیت قرآنی کی رُو سے بیع حلال ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حیلہ گری اور لفظی ہیر پھیر سے بیع کی بہت سی صورتیں شرعاً جائز قرار نہیں دی جا سکتیں اور ناجائز صورتوں کو جائز و حلال نہیں کہا جا سکتا۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ میں تو خرید و فروخت کی صرف وہ صورتیں حلال قرار دی گئی ہیں۔ جو بالکلیہ ربوٰ کے بالمقابل ہوں۔ اور اُن میں ربوٰ کا کوئی شائبہ نہ ہو، ان میں

---

[1] ایک معزز [illegible] فرماتے ہیں کہ بیع بجائے خود ایک حیلہ ہے جسے خود خدا نے بندوں کی سہولت کے لیے جائز کیا ہے (جیسے کہ فرمایا (احل اللّٰہ البیع وحرم الربوا) سو لین دین کی جس صورت کو بھی بیع کی شکل دے دی جائے۔ وہ گویا حیلہ شرعی سے گذر کر پاک صاف ہو گئی۔ حالانکہ بیع اور لین دین کے تمام قواعد و اطوار سے فوق الفوق وہ اعلیٰ تر قانونِ الٰہی ہے جس نے ربوٰ کی ہر شکل کو صریحاً حرام اور ریبہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

دوسری ضروری بات یہ سامنے رکھنی چاہیے کہ حیلہ کسی وقتی اور جزئی امر کے لیے ہوتا ہے تاکہ کسی خاص مشکل صورت کا حل نکلے، نہ کہ ایک جامع مستقل اصولی و قانون کی حیثیت سے مسلسل نافذ رہتا ہے۔ ورنہ اس مثال کو سامنے رکھیں تو پھر نکاح بھی ایک حیلہ ہے اور اسلام کا نظام سمع و طاعت بھی ایک حیلہ ہے اور عدالت و قضا بھی ایک حیلہ ہے اور جہاد بھی ایک حیلہ ہے۔ پھر سارا دین اور ساری شریعت ایک لفظ حیلہ میں سمٹ آئے گی۔

آپ سودی نوعیت کے اضافے کو جائز کرنے کے لیے بیع کی ایک غیر عقلی اور مضحکہ خیز صورت کو ایجاد کرتے ہیں اور پھر اسے بینکنگ کے مستقل کاروبار کی روح بنانا چاہتے ہیں — اور وہ بھی اسلامی حیلہ کے نام سے۔ استغفر اللہ! (مدیر)

ربوٰا والی ذہنیت نہ ہو، معاشرہ میں ربوٰا والے بُرے نتائج پیدا کرنے والی نہ ہوں۔ ربوٰا الفضل یا ربوٰا حکمی کی جتنی بھی صورتیں ہیں اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے ممنوع ہیں۔ وہ صرف قرض کی نہیں، بلکہ بیع کی صورتیں ہیں اور بیع والی ان صورتوں کو "والفضل ربوٰا" فرمایا گیا ہے۔ عمدہ کھجوروں اور ردّی کھجوروں کا باہمی تبادلہ بیع ہی تو ہے، مگر ایک طرف کیل یا وزن میں زیادتی ہو تو ارشادِ نبوی کے مطابق وہ ربوٰا ہے۔ مزابنہ اور محاقلہ تو بیع ہی کی صورتیں ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ بیع ہی کے نام سے جتنے بھی ایسے حیلے اختیار کیے جائیں جن میں وہی ربوٰا والی ذہنیت کارفرما ہو۔ وہی زیادہ ستانی کا جذبہ پایا جاتا ہو خواہ اس کو سُود نہ کہا جا سکے۔ لیکن وہ سب بیع و شراء کی وہ صورتیں ہوں گی جو شرعاً ممنوع ہیں۔ ہر وہ لین دین جو سود کی تعریف میں آکر سُودی کاروبار نہ ہو۔ تو یہ کہنا تو صحیح ہو گا کہ یہ سُود نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہنا کہ محض جائز اور حلال ہے اور یہ اسلامی ہے صحیح بات نہیں ہے۔ ہر عقل مند اور ذرا بھی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے کو یہ بات عجیب معلوم ہو گی۔ اور غیر مُسلم تو اس کو شرعی جائز مسئلہ قرار دینے پر اسلام کا مذاق اُڑائیں گے۔ جب کہ یہ کہا جائے کہ سو روپے کا کرنسی نوٹ اگر آپ کسی کو قرض کے طور پر دے کر اس کے عوض میں سال کے بعد اس سے ایک نوٹ سو کا اور دو نوٹ دس دس کے لے لیں۔ اس پر تو ہر کوئی کہے گا کہ یہ سُود ہے، ایسا ہرگز جائز نہیں۔ تب آپ فرماتے ہیں کہ بہر حال میں چاہتا تو یہ ہوں کہ سال کے بعد مجھے ایک سو کے ضرور ایک سو بیس مل جائیں۔ تو آپ کو بتایا جائے گا کہ پھر آپ یہ کریں کہ سو روپے کا نوٹ اس شخص کے ہاتھ سال کے وعدے پر فروخت کریں اور اس کا ثمن ایک سو بیس روپے مقرر کریں۔ تو یہ سو کا نوٹ اُدھار کے طور پر ایک سو روپیہ کے نوٹ اور دو دس کے نوٹوں کے بدلے فروخت کرنا جائز ہے، حلال ہے، شیرِ مادر ہے، کیونکہ یہ قرض دے کر سود نہیں لیا، بلکہ نوٹ فروخت کر کے زیادہ روپیہ لیا ہے۔ اُصولی بات یہ ہے کہ کسی حرام کے ارتکاب کے لیے بظاہر لفظی ہیر پھیر سے کوئی جائز نظر آنے والا حیلہ اختیار کیا جائے اور حرام کے ارتکاب کی وہی ذہنیت محرک اور کارفرما ہو تو یہ حیلہ سازی اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہے اور بیع مؤجل کے عنوان سے جس قسم کے کاروبار کو وسیع پیمانے پر جاری رکھنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے اس کی یہی نوعیت ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔